فقہی تنوع کی اساس، درجہ بندی اور قانون سازی میں اس کا مقام

از: شہزاد اقبال شام

گزشتہ چند عشروں سے وطن عزیز میں دستوری تقاضے کے بموجب، قانون سازی میں جہاں بہت سی فنی اور دیگر رکاوٹیں موجود ہیں وہیں، فقہ اسلامی کا کما حقہ فہم نہ ہونے کے باعث فقہا کے اختلاف کو بھی اس راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ عربی زبان کا مطلوبہ فہم اور فقہ اسلامی کے ذخیرے پر ناقدانہ نظر نہ ہو تو لفظ اختلاف کا مفہوم اردو سے لے لیا جاتا ہے اور اردو میں یہ لفظ جو معانی بہم پہنچاتا ہے، اس کی تفہیم سے قاری پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور یوں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گویا اسلامی قانون کی ترویج میں فقہاء کے اختلافات کوئی بڑی رکاوٹ ہیں۔ یا یہ کہ ہر جزوی مسئلے پر اتفاق رائے ہونے تک کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ضروری ہے کہ اختلاف کی نوعیت کا فہم حاصل کر کے کوئی رائے قائم کی جائے۔ دوسری طرف وہ اصحاب جو فقہی امور کا مطالعہ کر کے قانون سازی یا تحقیق کا کام کرتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض بنیادی امور کی طرف توجہ نہیں کرتے جس کے باعث ان کی قیمتی کاوشوں کو اہل علم میں پذیرائی حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا آئندہ سطور میں قانون سازی سے متعلق ایک اہم امر کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی جائے گی۔

یہ بات خوب شائع شدہ ہے کہ اپنی زندگی میں آپ ﷺ نبی ہی نہیں، معلم، قاضی، سپہ سالار، سربراہ مملکت بھی خود ہی تھے۔ آپ کی زندگی میں صحابہ کرام ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں آپ سے رجوع کرتے اور ہدایت پاتے۔ لہٰذا اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ کبھی اس کی نوبت آ بھی جاتی تو راہنمائی کے لیے آپ موجود تھے جو مناسب ہدایت فرماتے۔ اس دور میں اختلافات اگرچہ پیدا تو ہوئے لیکن

آپ ﷺ کے قول فیصل کی وجہ سے انہیں اختلاف کہنا درست نہیں ہے۔ یوں کہنا اقرب الی صواب ہے کہ چند مواقع پر ایک سے زائد آراء سامنے آئیں۔ ان میں سے یا تو کوئی ایک رائے پسند کر کے اختیار کر لی گئی یا گنجائش ہونے پر سب آراء کو مناسب طریقے سے قبول کر لیا گیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد دینی امور میں ایک سے زیادہ نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ اس کیفیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک اعتبار سے یہ دیکھنا ہو گا کہ ان فقہی اختلاف کے اسباب کیا کچھ ہیں۔ پھر یہ دیکھا جانا بھی اہم ہے کہ کیا ہر مختلف فیہ امر بجائے خود اختلاف کی تعریف میں آتا بھی ہے یا نہیں۔ کم علم اور فقہ اسلامی کے نیم خواندہ مناظر حضرات کی باہمی تو تکار علمی اعتبار سے کس درجے کی ہے؟ یہ تمام باتیں منقح ہو جانے ہی پر حقیقت حال سامنے آ سکتی ہے۔ اس چھان پھٹک کے بعد یہ نتیجہ نکالنا ممکن ہو سکتا ہے کہ اس مسئلے کی نوعیت کیا ہے۔ کیونکہ محقق کئی امور کو اختلافی امور گردانتا ہے جبکہ ان کی نوعیت مختلف نوعیت ہوتی ہے۔

لفظ اختلاف اور کچھ دیگر الفاظ کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق

آگے بڑھنے سے قبل ضروری ہے کہ لفظ اختلاف پر مناسب گفتگو کر لی جائے کیونکہ یہ لفظ اور اس سے مماثل اور یہی مفہوم ادا کرنے والے الفاظ قرآن وسنت میں مختلف اسالیب میں وارد ہوئے ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ لفظ اختلاف سے جو کیفیات کسی اردو دان قاری کے ذہن میں آتی ہیں، ان کے عربی مترادفات پر نظر بھی ڈالی جائے۔ لسانی تعامل کی وجہ سے الفاظ کے مفاہیم تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اہل زبان ان الفاظ کا جو مفہوم لیتے ہیں، اردو دان طبقہ بعض اوقات ان سے مختلف مفہوم اخذ کرتا ہے۔ اس لیے اختلاف کی حقیقت کو تبھی سمجھا جا سکتا ہے جب اس ساری کیفیت پر گرفت حاصل کر لی گئی ہو۔

لفظ اختلاف عربی ثلاثی مجرد ''خلف'' کی توسیعی شکل ہے۔ لغوی طور پر لفظ اختلاف کسی معاملہ میں اتفاق اور یکسانیت نہ ہونے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لسان العرب میں آتا ہے:

الإختلاف فی اللغة عدم الإتفاق والتساوی یقال تخالف الأمران و اختلفا لم یتفقا و کل مالم یتساو فقد تخالف واختلافا[1]

ترجمہ: لغت میں اختلاف سے مراد عدم اتفاق اور عدمِ تسویہ ہے۔ عربی میں اس کے لیے تخالف الامران (دو باتوں میں اختلاف) اور اختلفا (الامران) دونوں مستعمل ہیں۔ دونوں سے مراد عدمِ اتفاق ہے اور جہاں بھی عدمِ تسویہ ہو، وہاں تخالف اور اختلفا ہی استعمال ہوتے ہیں۔

یہ لفظ قرآن کریم میں بھی آتا ہے:

﴿فاختلف الأحزاب من بينهم﴾ ۲

ترجمہ:

مگر پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔

ایک اور جگہ اللہ کریم نے فرمایا:

﴿ انكم لفى قول مختلف﴾ ۳

ترجمہ:

تم لوگوں کی بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

لفظ اختلاف، اتفاق اور تسویہ کی ضد ہے۔ لیکن اس تناظر میں اتفاق سے مراد اصولی، نظری اور للّٰہیت پر مبنی اتفاق ہے۔ کتب فقہ میں جگہ جگہ لقد اختلاف الفقهاء اور لقد اتفق الفقهاء جیسی تراکیب ملتی ہیں جن سے مراد اصولی اختلاف اور اتفاق ہوتا ہے۔ یہ الفاظ صرف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کسی مسئلے میں فقہا کا نقطہ نظر کسی جزئی مسئلے میں جدا جدا ہے، نہ کہ دین کی مبادیات اور اساس کسی اختلاف کی شکار ہے۔

خلف سے پھوٹنے والا ایک اور لفظ ''خلاف'' ہے۔ فقہ اسلامی میں خلاف سے مراد اختلاف سے قدرے جدا ہے۔ اختلاف میں ایجابی پہلو زیادہ نمایاں ہیں جبکہ خلاف سلبی کیفیات ظاہر کرتا ہے۔ امام شاطبی الموافقات میں کہتے ہیں کہ: ''خلاف'' وہ عدم اتفاق ہے جو کسی اصولی بنیاد کی بجائے نفسانی خواہشات پر مبنی ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر علوانی کہتے ہیں: ''خلافی شخص فقہی دلائل اور اس کے احوال کا محقق نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ اپنے امام کی بات پر مضبوطی سے قائم رہ کر اس مسئلہ میں اجمالی طور پر اتنا ہی جانتا ہے

کہ اس کے امام نے یہی رائے دی اور یہی حکم لگایا ہے۔ اس کے نزدیک اثبات حکم کا کسی دوسرے نتیجہ تک پہنچنا بھی اس کے حکم مخالف کی تردید کے لیے کافی ہے''۴ے۔

اتلاف اور خلاف سے ذرا آگے ایک بگڑی ہوئی کیفیت جدل کی ہے۔ **جدل الحبل** سے مراد رسی کو بٹ کر اسے مضبوط بنانا ہے۔ دلائل اور حقائق کو توڑ مروڑ کر فریق مخالف کے سامنے لانا ''جدل'' کہلاتا ہے۔ اصطلاحی طور پر علماء اس کی ایک تعریف یوں بھی کرتے ہیں۔ ''وہ علم جس سے انسان حق و باطل دونوں کی مدح یا ذم کرنے پر قدرت حاصل کر لے اور حق کو ناحق یا باطل کو حق ثابت کر دے۵ے''۔

اختلاف، خلاف اور جدل کے بعد بحث و تمحیص میں استعمال ہونے والی اگلی کیفیت شقاق کی ہے۔ اس میں افہام و تفہیم کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، گفتگو میں رکاکت اور سطحیت آ جاتی ہے، ایک فریق دوسرے کی بات سمجھنا تو دور کی بات ہے، سننا تک پسند نہیں کرتا۔ یہ وہ باریک سا نقطہ افتراق ہے جو باہم دست و گریباں ہونے اور اس سے ذرا قبل کی انتہائی ناروا کیفیت ظاہر کرتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿ **فانماهم فی شقاق**﴾ ٦ے

ترجمہ:

یعنی ''اگر وہ اس سے روگردانی کریں تو یقیناً وہ ہٹ دھرمی کا شکار ہیں''۔

دوسری جگہ زوجین کے جھگڑے کے بارے میں فرمایا ﴿**وان خفتم شقاق بینهما**﴾ ۷ے

ترجمہ:

اور اگر تمہیں ان (میاں بیوی) کے مابین جھگڑے کا اندیشہ ہو۔''

جدل اور شقاق بھی اختلاف اور خلاف پر مبنی ہوتے ہیں لیکن یہ اس درجے پر ہوتے ہیں کہ ان میں خدا ترسی، للّٰہیت اور دیگر مثبت صفات نہیں ہوتیں۔ یوں سمجھیں کہ اختلاف اور خلاف، جدل و شقاق سے مبرا ہوتے ہیں لیکن جدل اور شقاق، اختلاف اور خلاف کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر جدل اور ہر شقاق میں اختلاف اور خلاف تو ہوتا ہے لیکن ہر اختلاف اور ہر خلاف میں جدل اور شقاق نہیں ہوتے۔ جدل اور شقاق اس گفتگو کے دائرے سے باہر ہیں۔ صحابہ نے جب بھی ایک دوسرے سے

اختلاف کیا، ہمیشہ اصولی، نظری اور فقہی معاملات میں کیا۔ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قانون سازی کے باب میں جدل اور شقاق محقق کے مطالعے میں نہیں آتے۔علوم اسلامیہ کا کوئی اور محقق یہ مطالعہ کرنا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

صحابہ کے اختلافات

اختلاف کی تعریف کے بعد لازم ہو گیا ہے کہ اس کے اسباب کا سراغ لگایا جائے۔ ظاہری بات ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہونے پر انسانی ذہن کا تنوع ظاہر ہوا۔الہامی راہنمائی کا جو بیج صحابہ کرام کے ذہنوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، بوقلمونی کی صورت میں اس کی کونپلیں ظاہر ہوئیں۔عہد تابعین میں وہ برگ و بار سے لد گیا۔اور بعد میں اس کے لذیذ ثمرات آج بنی نوع انسان کے فکری دستر خوان پر اپنی رنگا رنگ شکلوں میں موجود ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کے تمام اختلاف رسول اللہ ﷺ کے بعد ظاہر ہوئے لیکن یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ یہ اختلاف آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں پیدا ہوئے۔غزوہ احزاب کے دوران میں آپ نے صحابہ کرام کو ہدایت کی ''لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة'' [8]

ترجمہ:

تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے علاوہ کہیں نہ ادا کرے۔''

لیکن عصر کا وقت راستے ہی میں آیا اور نماز فوت ہونے کا خدشہ ظاہر ہونے پر کچھ صحابہ نے نماز راستے میں ادا کی اور کچھ نے بنی قریظہ پہنچ کر ادا کی۔ بعد میں جب آپ ﷺ کو اس اختلاف کا علم ہوا تو آپ نے دونوں آراء کے لیے کچھ نہ فرمایا اور سکوت اختیار کر کے دونوں کو جائز قرار دیا۔

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام میں بوجوہ اختلاف پیدا ہوئے جس کے اسباب مختلف النوع ہیں [9]۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب ''حجة الله البالغة'' میں اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔انہوں نے ان اسباب کی طرف نشاندہی کی جن کے باعث صحابہ کرام میں اختلافات پیدا ہوئے۔ یہی عنوان شاہ صاحب موصوف کی ایک دوسری کتاب الانصاف فی بیان الاختلاف میں بھی ملتا ہے لیکن تفصیل کے ساتھ یہ موضوع حجة البالغة ہی میں زیر بحث لایا گیا ہے۔موسوعة الفقه

الإسلامی المعروف بہ "موسوعة جمال عبد الناصر الفقهيه" میں علامہ شاطبی کی الموافقات کے حوالے سے اس عنوان پر بڑی سیر حاصل گفتگو ملتی ہے جس میں اسباب اختلاف بیان ہوئے ہیں۔ تاہم صحابہ نے بالعموم جن اسباب کی بنا پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا، ان میں سے پانچ اسباب زیادہ اہم ہیں۔ آئندہ سطور میں اختصار کے ساتھ یہ پانچ اسباب بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ہر اختلاف کی پشت پر کوئی نہ کوئی سبب موجود ہے جس سے اعراض ممکن نہیں۔ صحابہ کے یہ اختلافات آگے چل کر مختلف فقہی مکاتب فکر کی نشو ونما میں کام آئے۔

۱۔ ضبط کے باعث اختلاف

انسانوں کی صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ ہر ایک کا فہم بھی دوسرے کے مقابلے میں کم وبیش ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سے جب کوئی حدیث سنتا تو اپنے اپنے فہم کے مطابق اس سے استنتاج کرتا۔ اس کی وجہ ایک دوسرے کے مقابلے میں ضبط (بات پر گرفت) کا مختلف ہونا ہے۔ ایک یہودی عورت کی میت پر اس کے رشتہ داروں کو روتے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا "لوگ اس پر رو رہے ہیں اور ادھر اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔" یہاں عذاب کی علت لوگوں کا رونا نہ تھی بلکہ اس کا یہودی ہونا تھی۔ لیکن ابن عمر نے یہ گمان کیا کہ عذاب کی علت لوگوں کا رونا تھی اور اس حدیث کو یونہی روایت کیا۔ حضرت عائشہ ؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر کو حدیث ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوئی[۱۰]۔

۲۔ حکم کی علت میں اختلاف

اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ صحابہ نے کسی حکم کی علت میں اختلاف کیا اور یہ عمل باعث اختلاف ہو گیا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ اس پر ایک صحابی نے اس کی علت یہ بیان کی کہ یہ فرشتوں کی تعظیم کے لیے ہے۔ دوسرے صحابی نے گمان کیا کہ اس کی وجہ موت کا خوف ہے۔ حضرت حسن ؓ نے فرمایا کہ جنازہ چونکہ یہودی عورت کا تھا اس لیے آپ ﷺ کو ناگوار گزرا کہ مشرکہ کا سر ان کے سر مبارک سے اونچا ہو جائے[۱۱]۔

اب دیکھئے ایک ہی واقعے سے تین مختلف علتیں نکالی گئیں۔

۳۔فکری خلا کے باعث اختلاف

امور سلطنت کے چلانے کے لیے سربراہ مملکت کا وجود ہر ریاست کی اشد ضرورت ہوتا ہے۔آپ ﷺ کا وصال ہوا تو خلیفہ کی فوری تقرری پر اختلاف پیدا ہوا، درآنحالیکہ آپ ﷺ کی تدفین بھی عمل میں نہیں آئی تھی۱۲۔ایک طرف مہاجرین خلافت کے دعوے دار تھے۔دوسری طرف انصار اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔اس اختلاف کا سبب فطری تھا۔ایک جذباتی کیفیت کہ جب آپ ﷺ ان کے درمیان میں سے اٹھ گئے ہوں، راہنمائی کرنے والا کوئی نہ ہو، قبائلی تعصب کسی نہ کسی سطح پر موجود ہو تو فکری انتشار پیدا ہونا بدیہی امر تھا۔آپ ﷺ کے بعد راہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہا تو اس خلا میں مختلف خیالات کی آمد اور خلا کو پُر کرنے کی کوشش انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

یہ اختلاف بظاہر فقہی نہیں ہے لیکن اس کا فقہ سے گہرا تعلق ہے۔کسی بھی ریاست کا سربراہ ریاست کے دماغ کی مانند ہوتا ہے اور کوئی بھی عقل مند قوم بغیر دماغ کے ایک لمحہ بھی رہنا پسند نہیں کرتی۔۱۹۶۳ء میں امریکہ کے صدر کنیڈی کو قتل کیا گیا تو نائب صدر جانسن اس وقت مائل بہ پرواز تھے۔ان کے طیارے کے زمین پر اترنے کا انتظار تک نہ کیا گیا بلکہ لاسلکی پیغام کے ذریعے طیارے ہی میں ان سے بطور صدر مملکت حلف لیا گیا۔۱۹۸۶ء میں جب اندرا گاندھی قتل ہوئی تو اس وقت ان کا بیٹا راجیو گاندھی نئی دہلی سے سینکڑوں میل دور ایک جلسہ عام سے خطاب کر رہا تھا۔ان کی تقریر رکوائی گئی، خصوصی طیارے میں دہلی لایا گیا، کانگریس کی مرکزی پارٹی کا رکن بنایا گیا کہ یہ پارٹی کی دستوری ضرورت تھی، اور فوراً حلف لیا گیا۔اگر راجیو گاندھی ممبر پارلیمنٹ ہوتے تو اس جلسہ گاہ ہی میں حلف لیا جاتا۔ریاستی امور کی نزاکتوں سے متعلق یہ نکتہ صحرانشین اور شتربان چودہ صدیاں قبل جانتے تھے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے قبل انہوں نے خلیفہ کے تقرر کو اولیت دی تاکہ افتراق کی جگہ مرکزیت پیدا ہو۔پس یہ فقہی اختلاف تھا اور اس پر اختلاف رائے پیدا ہونا بالکل فطری امر تھا۔

گویا اس اختلاف کا سبب فکری خلا تھا جو امیر کے انتخاب کے بعد کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔

۴۔ روایات کے جمع ہونے میں اختلاف

اختلافات کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ دو مختلف روایات جمع کرنے میں اختلاف پیدا ہو، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رو ہو کر یا پشت کر کے پیشاب کرنے کی ممانعت کی[۱۳]۔ پھر حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کے وصال سے ایک سال قبل دیکھا کہ آپ قبلہ رو ہو کر پیشاب کر رہے ہیں۔ دونوں روایات جمع کر کے استنتاج کرنے میں اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت جابرؓ کا خیال تھا کہ گزشتہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔ کچھ دوسرے صحابہ کا خیال یہ تھا کہ ممانعت کھلی جگہ کے لیے مخصوص ہے۔ البتہ بند پاخانوں میں قبلہ رو ہو کر پیشاب کرنا منع نہیں ہے۔ کچھ اور صحابہ نے کہا کہ ممانعت کا حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔ اس طرح دو روایات کے جمع کر کے حکم نکالنے میں بھی اختلاف پیدا ہوئے[۱۴]۔

۵۔ حدیث سے لاعلمی

اختلافات کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ کسی صحابی نے آپ سے کوئی حکم سنا، اس پر عمل کیا، دوسرے نے نہ سنا اور اپنی بصیرت کے مطابق اجتہاد کیا۔ جیسے ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ عورت کا مہر مقرر نہ تھا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے ایک ماہ تک سکوت اختیار کیا۔ پھر یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کا مہر خاندان کی دوسری عورتوں کے مثل ہوگا، عدت ہوگی، اور وہ میراث میں حصہ پائے گی۔ اس کی تائید معقل بن یسار نے کی کہ انہوں نے آپ ﷺ سے ایسے ہی سنا تھا۔ اس پر عبداللہ ابن مسعودؓ بے حد خوش ہوئے۔

فقہی تنوع کی جڑیں

صحابہ کرام کی یہ مختلف سوچیں، سوچ کے مختلف انداز اور رنگا رنگی اگلے ادوار پر خوب اثر انداز ہوئے۔ صحابہ کے زمانے میں مندرجہ بالا اسباب کے باعث جید فقہائے اصحاب رسول کے مکاتب فکر قائم ہو چکے تھے۔ دیگر اصحابِ رسول کسی منضبط جمعیت کی شکل میں ان کے پیروکار نہیں تھے بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے فہم کے مطابق کسی فقیہ صحابی کی رائے اختیار کر لیتے تھے۔ لیکن تابعین تک پہنچتے

پہنچتے یہ کیفیت تبدیل ہوگئی۔ ملکی سرحدوں میں وسعت پیدا ہوئی، علوم کی نشو ونما ہوئی، اصطلاحات سازی کا عمل تقویت پکڑ گیا، مسائل کی نوعیت بدل گئی اور یوں جغرافیائی بُعد کے سبب مستقل مکاتب فکر وجود میں آئے جن کی بنیادیں تلاش کرنا بڑا اہم ہے۔ یہ بات واضح ہو جانے پر معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ مکاتب فکر کہاں سے روشنی لیتے ہیں۔

ا۔ نعمان بن ثابت، امام ابوحنیفہؒ

حنفی مکتب فکر کے امام ابوحنیفہ کا شمار اہل رائے میں ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''جب مجھے کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہیں ملتا تو جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں، لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں، چھوڑ دیتا ہوں''۱۵۔

بعض اصحاب نے آپ کو مخالف حدیث تک کہا ہے اور کہا کہ آپ نص کے مقابلے میں رائے (قیاس) کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی تردید خود آپ نے کر دی: ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں، بخدا اس نے افترا پردازی سے کام لیا۔ کیا نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہوتی بھی ہے''۱۶؟

آج اگر کوئی شخص امام صاحب موصوف کو مخالف حدیث کہتا ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ وہ فقہ حنفی کے عظیم ذخیرہ کی بنیاد سے انکار کرتا ہے۔ تو یہ الزام کیوں عائد کیا گیا؟ جواب بڑا آسان ہے۔ محققین الزام عائد کرنے والے کی درجہ بندی نہیں کرتے۔ اصل میں یہ الزام جدل ومناظرے اور شقاق کی ذیل میں آتا ہے۔ کوئی فقہی رائے یا الزام نہیں۔ ناسمجھ لوگوں نے بے سبب اور ناحق اسے کتابوں میں سے نقل کر کے رائے زنی شروع کر دی۔ اور یوں یہ بات شائع ہوتی چلی گئی۔

امام صاحبؒ فقہ میں کوفی مکتب فکر کے ترجمان تھے۔ کوفہ اس زمانے میں علوم اسلامیہ میں ایک اہم مقام رکھتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا زمانہ خلافت یہیں پر گزارا۔ مشہور فقیہ صحابی عبداللہ ابن مسعودؓ بھی کوفہ منتقل ہو چکے تھے جو اپنے افکار میں حضرت عمرؓ سے متاثر تھے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ نے کوفہ میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ سے مستفید ہونے والے اصحاب پر مشتمل ایک مستقل مکتب فکر مرتب ہو چکا تھا۔ قاضی شریح، علقمہ بن قیس اور مسروق ابن الاجدع یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ

سے اکتساب علم کیا۔ یہ سب افراد ابراہیم نخعیؒ اور عبداللہ ابن مسعودؓ سے فکری طور پر متاثر تھے۔ ابراہیم نخعیؒ کے شاگرد حماد، امام ابوحنیفہ کے استاد تھے۔ امام صاحبؒ نے حماد سے اکتساب علم کیا جنہوں نے ابراہیم نخعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ ابراہیم نخعی کے اساتذہ میں وہ لوگ تھے جنہوں نے کوفہ کے مشہور فقیہ صحابی عبداللہ ابن مسعودؓ سے علم حاصل کیا۔ پس اگر کہا جائے کہ امام صاحب اپنے افکار ونظریات میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے متاثر تھے تو غلط نہ ہوگا۔ شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اصل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتوے، حضرت علی کے فیصلے اور فتوے، قاضی شریح کے فیصلے اور کوفہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں'' ۱۷۔

امام صاحب کی فقہ عبداللہ ابن مسعود سے متاثر تھی اور اس کی تائید آپ ہی کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے۔ تاریخ بغداد میں آتا ہے: ''ایک روز امام صاحب منصور کے دربار میں آئے تو اس نے پوچھا ،نعمان! آپ نے علم کہاں سے سیکھا؟ فرمایا، حضرت عمر کے تلامذہ سے جنہوں نے حضرت عمر سے، نیز شاگردان علیؓ سے، جنہوں نے حضرت علی سے بواسطہ تلامذہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے اور عبداللہ ابن مسعود سے بڑا عالم اس کائنات ارضی پر کوئی اور نہ تھا'' ۱۸۔

۲۔ امام مالک بن انس

ڈاکٹر احمد حسن لکھتے ہیں: اس زمانے میں ہر اہم شہر میں کوئی نہ کوئی ایسا فقیہ ضرور ہوتا تھا جو اس علاقے میں فقہی افکار کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کرتا تھا۔ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس ابتدائی دور کے مشہور فقیہ تھے جو مختلف علاقوں میں مشہور تھے:

(۱) سعید ابن مسیتب (۲) عروہ بن الزبیر

(۳) ابوبکر بن عبدالرحمٰن (۴) عبیداللہ ابن عبداللہ

(۵) خارجہ بن زید بن ثابت (۶) سلیمان بن یسار

(۷) القاسم بن محمد ۱۹

کتب تاریخ فقہ میں یہ ساتوں اصحاب، فقہائے سبعہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ جن کا طوطی نہ

صرف مدینہ بلکہ اطراف اکناف میں بھی بولتا تھا۔ یہ وہ اصحاب تھے جنہوں نے علوم کے اکتساب میں حضرت عمر، حضرت عثمان اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شاگردی اختیار کی ۲۰۔ ان تمام فقہاء کا زمانہ ۵۰ھ سے لے کر ۱۰۷ھ تک ہے۔ جبکہ امام مالک ۹۳ ہجری میں مدینہ ہی میں پیدا ہوئے ۲۱۔ چنانچہ آپ نے جن اصحاب سے مختلف علوم حاصل کیے، وہ سب کے سب انہی فقہائے سبعہ کے شاگرد تھے۔ مثال کے طور پر ابن شہاب الزہری، نافع مولیٰ عبداللہ ابن عمر، ابوالزناد، ربیعہ بن عبدالرحمٰن المعروف ربیعہ الرائے، یحییٰ بن سعید وغیرہ۔

فقہ میں امام مالک کے استاد ربیعہ بن عبدالرحمٰن تھے ۲۲ جو ربیعہ الرائے کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے فقہی علم کا بڑا حصہ فقہائے سبعہ میں سے سعید ابن مسیّب سے حاصل کیا۔ سعید ابن مسیّب تابعی تھے جنہوں نے یوں تو حضرت عمر، حضرت عثمان عبداللہ ابن عمر اور زید بن ثابت جیسے فقہا سے علم حاصل کیا لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آپ کی فقہ پر عبداللہ ابن عمر کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ چنانچہ دوسرے تمام اصحاب کو ایک لمحے کے لیے نظر انداز کر دیا جائے تو اس بحث کا خلاصہ یوں نکلتا ہے کہ فقہ میں امام مالک کے استاد ربیعہ الرائے، سعید ابن مسیّب سے فقہی اعتبار سے متاثر تھے جنہوں نے فقہی بصیرت وعلم حضرت عبداللہ ابن عمر سے حاصل کیا، لہٰذا امام مالک کی فقہ عبداللہ ابن عمر کی طرف منسوب ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ کہتے ہیں: ''دوسرے فقیہ حضرت عبداللہ ابن عمر تھے۔ ان کے شاگرد کے شاگرد امام مالک تھے۔ مالکی مذہب ہم تک گویا ان صحابی کی راہ سے پہنچتا ہے'' ۲۳۔

پس کہا جا سکتا ہے کہ امام مالک کی فقہ کی نسبت عبداللہ ابن عمر کی طرف ہے۔

۳۔ امام شافعی، محمد بن ادریس

حنفی فقیہ امام محمد بن الحسن الشیبانی سے اکتساب علم کرنے والے امام شافعی نے فقہ سے زیادہ اصول الفقہ وضع کرنے میں وقت گزارا۔ حدیث میں آپ کے استاد امام مالک تھے جن سے آپ نے مؤطا سبقاً سبقاً پڑھی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ آپ کی اٹھان مکہ میں ہوئی اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مکہ کے علماء حضرت ابن عباس کی تفسیری آراء سے روشنی لیتے تھے۔ یہ سامنے رکھنا بھی ضروری ہے کہ آپ دوسری صدی ہجری کے فقیہ ہیں۔

آپ کی پیدائش ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔ اسی سال امام ابوحنیفہ کی رحلت ہوئی۔ اس عرصے تک فقہ اسلامی کا شجر سایہ دار طرح طرح کے برگ و بار دے چکا تھا، لہٰذا آپ کے تمام شیوخ و اساتذہ مختلف الفکر اور مختلف الخیال لوگ تھے۔ آپ نے جن مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا، بقول امام رازی کے ان کی تعداد ۱۹ تھی جن میں ۵ مکی، ۶ مدنی، ۴ یمنی اور ۴ عراقی تھے۔ ان اساتذہ میں معتزلی بھی شامل تھے[۲۴]۔ یہ بھی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں سے علم حاصل کیا۔ لیکن علمی کارناموں، خصوصاً اصول فقہ کے ضمن میں کتاب الام رقم کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے ہر دو مکاتب فکر کے علی الرغم ایک الگ مکتب فکر کی بنیاد ڈالی۔

اس کے باوجود طے شدہ امر یہ ہے کہ آپ کی فقہ کسی نہ کسی صحابی کے افکار سے لازماً متاثر تھی جو عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ ابوزہرہ نے عبداللہ ابن عباسؓ اور امام شافعی میں پائی جانے والی چند مماثلتیں بیان کی ہیں جیسے دونوں قرآن سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، انہیں شعر و ادب سے لگاؤ تھا، دونوں فصیح البیان تھے، دونوں کی مجالس میں حدیث، فقہ اور علم و ادب ہر نوع کے طالبان علم حاضر ہوتے تھے۔ پروفیسر ابوزہرہ یوں نتیجہ نکالتے ہیں: ''چنانچہ یہ بات بے اندیشہ تردید کہی جا سکتی ہے کہ امام شافعی نے اپنے سامنے جو نمونہ کامل رکھا تھا، وہ ابن عباس کا تھا۔ انہی کے نقش قدم پر چل کر وہ راہ روی کرتے تھے''[۲۵]۔

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ فقہ شافعی عبداللہ ابن عباس کی طرف منسوب ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ نے مکہ میں زیادہ وقت گزارا جہاں کے علماء ابن عباس کی فکر سے متاثر تھے۔

۴۔ امام احمد بن حنبل

امام احمد بن حنبل فقہائے اربعہ میں سے ترتیب کے اعتبار سے آخری امام ہیں۔ زمانے کے لحاظ سے بھی آپ کا عہد، عہد نبوی یا صحابہ کرام سے بہت دور ہے۔ ۱۶۴ ہجری میں آپ کی پیدائش اور ۲۴۱ ہجری میں وفات ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے وقت امام ابوحنیفہ کو دنیا سے رخصت ہوئے ۱۴ سال گزر چکے تھے۔ امام مالک کی رحلت کے وقت آپ ۱۵ سال کے تھے۔

البتہ آپ امام شافعی کے شاگرد اور ہم عصر تھے۔ لہٰذا آپ کے بارے میں یہ حتمی نتیجہ نکالنا کہ آپ کی فقہ کی نسبت کس صحابی سے ماخوذ تھی، کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خاص طور پر جب آپ کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد، بقول ابن القیم الجوزیہ سو سے زائد تھی، جن میں امام العصر اور مجتہد مطلق، امام شافعی بھی شامل تھے ۲۶۔ یہ سب اساتذہ وہ ہیں جن سے آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور دوسرے علوم اسلامیہ میں درک حاصل کیا۔

زمانی بُعد کے باعث اس وقت فقہ اسلامی میں بہت تنوع پیدا ہو چکا تھا، علوم میں مختلف جدتیں پیدا ہو چکی تھیں، نئے نئے افکار متعارف ہوئے تھے، اصطلاحات وضع ہو چکی تھیں، ایک ہی روایت کے کئی کئی طرق اور واسطے تھے۔ لیکن جہاں بعض سہولتیں پیدا ہوئی تھیں، وہاں چند مشکلات بھی سامنے آئی تھیں ۲۷۔

اس زمانے میں اقوال صحابہ بھی کثرت سے معلوم اور یکجا ہو چکے تھے۔ دوسری طرف مسائل بھی نت نئے اور ہمہ جہت تھے۔ ان حالات میں امام احمد تو کیا کسی بھی شخص کی، بالخصوص جب وہ بجائے خود مجتہد مطلق ہو، کسی ایک صحابی کی طرف نسبت کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم آپ کے متعلق چند اشارات ضرور سامنے آتے ہیں، مثلاً یہ کہ جب کسی صحابی کا ایسا فتویٰ آپ کے سامنے آتا جس کی مخالفت کسی دوسرے صحابی سے نہ ہو رہی ہوتی تو آپ اسے قبول کر لیتے تھے۔ لیکن کسی معاملہ میں صحابہ کے ایک سے زائد اقوال موجود ہوں تو بقول حافظ ابن قیم وہ اقرب الی الکتاب والسنۃ کو اختیار کر لیتے تھے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا ہو تو سکوت اختیار کرتے۔

یہ طریقہ آپ کے استاد امام شافعی کا تھا۔ ابو زہرہ کا خیال ہے کہ آپ کی فقہ پر امام شافعی کا رنگ غالب ہے۔ آگے چل کر ابو زہرہ کہتے ہیں: ''بہر حال یہ ثابت ہے کہ امام احمد کبار تابعین کے فتوے قبول کرتے تھے۔ مثلاً سعید ابن مسیتب اور مدینہ کے فقہائے سبعہ جن تک حضرت عمر، ابن عمر اور زید بن ثابت کی فقہ پہنچی'' ۲۸۔

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی فقہ کسی حد تک حضرت عمر، ابن عمر اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ سے ماخوذ ہے اور ان کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

فقہی تنوع سے عدم واقفیت کا نتیجہ

اس گفتگو سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہا کے مختلف النوع مکاتب فکر کا سلسلہ کسی نہ کسی نسبت سے اولاً کسی صحابی اور بالآخر رسول اللہ سے جا ملتا ہے۔ اصحاب رسول آپ ﷺ سے براہ راست ہدایت یافتہ تھے۔ ان کے متعلق پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسباب اختلافات کیا کیا تھے۔ یہ تمام اسباب فطرت کے عین مطابق تھے۔ آج جو فقیہ اپنی رائے کسی ایک سبب کے پلڑے میں ڈالے تو اس کے مشاہدے میں آئے گا کہ اسی جیسا کوئی دوسرا فقیہ کسی دوسرے نقطہ نظر کا حامل ہے۔ عہد حاضر کے ان تمام ''رائے دہندگان'' کو الگ الگ کر کے فہرستیں تیار کی جائیں تو ہر مکتب فقہ کے لوگ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں سامنے آتے ہیں۔ ان میں کسی کے پاس یہ پیمانہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو غلط کہہ سکے۔ غلط کہنے کے لیے صرف وہی امور باقی بچتے ہیں جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہوں اور نصوص سے ثابت امور میں فقہا میں کامل اتفاق پایا جاتا ہے۔

آج شرعی امور پر ہلکی نظر رکھنے والے کئی اصحاب کے لیے ایک الجھن یہ بھی ہے کہ فقہ اسلامی کے کل ذخیرہ پر ان کی نظر نہیں ہوتی۔ جب تک کسی فقیہ کا مرتبہ اور اس کے عہد کے اسباب وظروف سامنے نہ رکھے جائیں، فقہ اسلامی پر رائے زنی مناسب نہیں ہوتی۔ فقہ کی کئی کتب میں آپ لکھا ہوا پائیں گے کہ راہ چلتے ہوئے اکل وشرب کے مرتکب افراد کی گواہی کو قضاۃ کے ہاں پذیرائی نہیں ہوتی تھی۔ کیا اس کی وجہ نصوص قطعیہ تھیں؟ ہرگز نہیں! اس زمانے کے فہمیدہ قانون سازوں نے اپنے عہد کے ذوق کو فقہ رنگ دیا تھا جو مطلقاً شرع شریعت کے مطابق تھا۔ ذوق بدل جانے سے قانون کا متاثر ہونا بدیہی امر ہے۔

اس قسم کی عبارتیں پڑھ کر تین قسم کے نقطہ نظر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ قرآن وسنت میں اس کی تائید میں کیا دلیل ہے؟ اور چونکہ غیر فقیہ دماغ نصوص سے استنتاج نہیں کر سکتا، اس لیے وہ فقہا کو غلط قرار دیتا ہے اور اسی پر بس نہیں، بعض لوگ خود اجتہاد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر فقہا کی پیروی میں وہی طرز زندگی اختیار کر کے ان کے خلاف کچھ بھی سننے کا روادار نہیں ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ تہذیبی تغیرات کے باعث اس کے اڑوس پڑوس میں کروڑوں بندگان

خدارہ چلتے ہوئے کھانے کو کوئی عیب خیال نہیں کرتے۔ تو کیا ان سب کی گواہی نا قابل قبول ہے؟ اگر ہاں تو دادرسی کا یہی ایک ذریعہ ہونے پر فصل الخصومات کیسے ہو؟ اس کا جواب اس فکر کے پاس نہیں ہے۔

تیسرا ذہن اس مخمصے میں الجھ کر دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک قسم کے لوگ خام فکری کے باعث یا تو دین دنیا کی تفریق کرنے اور مسائل کی گتھی سلجھانے کے لیے عقل عام استعمال کرنے والوں کے ساتھ جا کھڑے ہوتے ہیں۔ دوسری طرح کے لوگ اسلام کو عبادات کی حد تک ایک مذہب قرار دے کر اللہ اللہ کرتے ہیں۔

یہ تینوں تصورات فقہ اسلامی کے دائرے سے مطلقاً باہر ہیں۔

ابتدائی سطور میں جو بحث کی گئی ہے اس کی روشنی میں ان تینوں کی گفتگو جدل اور شقاق سے معمور ہوتی ہے۔ اختلاف سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ فقہ اسلامی پر گہری نظر رکھنے والے علما خوب مطالعے کے بعد ہی رائے دیتے ہیں اور فقہا کی رائے میں جو بھی اختلاف ہوتا ہے، وہ وہی اختلاف ہوتا ہے جس کا ذکر ابتدائی سطور میں کیا جا چکا ہے۔

شقاق اور جدل، اختلاف سے کلیتاً الگ ہیں جو سلبی کیفیات ہیں جبکہ اختلاف ایجابی صفت ہے۔ اختلاف کے ایجابی خصائص اس قدر متنوع ہیں کہ اس کے لیے الگ سے ایک مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے بڑھ کر اس کے حق میں اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ حدیث رسول ہے:

"اختلاف علما امتی رحمة" [۲۹]

میری امت کے علما کا اختلاف (لوگوں کے لیے) باعث رحمت ہے۔

امام شاطبی نے مجمع الزوائد کے حوالے سے ایک حدیث یوں بھی نقل کی ہے

" یا عبداللّٰہ ابن مسعود! قلت: لبیک یا رسول اللّٰہ! قال: أتدری أی الناس أعلم؟ قلت: اللّٰہ رسول أعلم. قال: أعلم الناس أبصرهم بالحق إذا اختلف الناس و ان کان مقصرا في العمل، و إن کان یزحف فی استه) فهذا تنبیه علی المعرفة بمواقع الخلاف"

ترجمہ: ''یا عبداللہ ابن مسعودؓ!'' میں نے جواب دیا: ''فرمائیے یا رسول اللہ (ﷺ)! '' آپ نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟'' میں نے جواب دیا، ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا: جب لوگ اختلاف کر رہے ہوں، تو اس وقت جسے حق کی بصیرت حاصل ہو جائے وہ سب سے بڑا عالم ہے، اگر چہ وہ عمل کے لحاظ سے کوتاہی کا شکار ہو، اور گھسٹ کر کیوں نہ چل رہا ہو۔'' چنانچہ (اس بیان کا مقصد) کسی بھی جگہ پر اختلاف کی معرفت کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔

اس کے بعد امام شاطبی قتادہ اور ہشام بن عبیداللہ الرازی کے اقوال نقل کرتے ہیں:

من لم يعرف الاختلاف لم يشم أنفه الفقه. و عن هشام بن عبيدالله الرازی: من لم يعرف اختلاف القراء ة فليس بقاری، ومن لم يعرف اختلاف الفقها فليس بفقيه ۳۰

ترجمہ: جسے اختلاف کی معرفت نہیں اسے گویا فقہ کی ہوا ہی نہیں لگی۔ اور ہشام بن عبیداللہ الرازی کے مطابق جسے قرأت کے اختلاف معلوم نہ ہوں وہ قاری ہی نہیں اور جسے فقہا کے اختلاف کا پتہ نہ ہو وہ فقیہ ہی نہیں۔

خلاصہ کلام

ان عبارتوں سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہی اختلافات کوئی ایسی بحث نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے یا روا روی اور ہلکے پھلکے انداز میں لیا جائے۔ فقہی تنوع، خالق کائنات کی پیدا کردہ رنگا رنگی کی مختلف شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے۔ اسی کے سبب مخلوق خدا کو ایک سے زیادہ ممکنہ راستے حاصل ہوتے ہیں جن میں سے لوگ اپنے حالات کے مطابق کوئی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔

فی الحقیقت اختلاف اور خلاف کے موضوعات ثقہ علما اور کہنہ مشق محققین ہی کو سزاوار ہیں۔ خام علم اور کچی پکی دینی معلومات کے سہارے فقہ کا مطالعہ کسی کو نفع کی بجائے نقصان دے سکتا ہے۔ فقہا جب کوئی رائے دیتے ہیں تو محقق کے لیے اولاً ان کا مرتبہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کیا یہ رائے کسی مجتہد مطلق

کی ہے یا کہنے والا مجتہد تخریج یا مجتہد ترجیح ہے؟ ممکن ہے وہ مجتہد فتاویٰ کے منصب پر متمکن ہو۔ جن حالات میں اس نے رائے دی ہو، وہ بدل جانے سے بعد میں آنے والے فقیہ کی رائے بھی بدل سکتی ہے۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے: ''تغیر الاحکام بتغیر الزمان یعنی'' زمانہ بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے''۔

اس گفتگو سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی امر پر دو افراد کی ہر مختلف فیہ رائے کو اختلاف کہنا صحیح نہیں ہے۔ دینی ادب کی درجہ بندی کرنے پر علوم اسلامیہ پر خامہ فرسائی کرنے والوں کے مختلف النوع رویے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رویہ ''شقاق'' ہے۔ کٹ حجتی کے شکار لوگ اسے اختیار کر کے اپنا معمول بنا لیتے ہیں، بہت سی کتب اسلامیہ اسی سے معمور ہیں۔ ایک دوسرا رویہ ''جدل'' ہے۔ یہ مناظر حضرات کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسے اپنا کر حق کو ثابت کرنا ممکن ہوتا ہے اور حق کا ابطال بھی اسی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ ایک اور طریق گفتگو ''خلاف'' کہلاتا ہے۔ بالعموم اس کے ذریعے سے محض اپنے امام کی اقتدا یا اپنی فقہ کے اندر رہ کر اس کے داخلی تنوع کا علم حاصل ہوتا ہے۔

عہد حاضر میں قانون ساز یا محقق اگر ان علوم کی باریکیوں اور ان فنون کے ماہر رفتگان سے شناسا نہ ہو تو اسے ہدایت کی بجائے گمراہی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس محققین کے لیے یہ بات بے حد اہمیت رکھتی ہے کہ وہ کوئی حوالہ لینے سے قبل کتاب کے مولف کا مرتبہ و مقام لازماً دیکھ لیا کریں۔ اس بات کی تائید میں محدثین کا اسلوب ہمارے لیے تیز روشنی لیے ہوئے ہے۔ محدثین ہی وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کی کوئی حدیث لینے سے قبل اسے اپنے ہی ایجاد کرنے کے علم ''علم الرجال'' کی چھلنی سے گزارتے ہیں۔ تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب اس کی درخشندہ مثالیں ہیں۳۲۔ ان کے ہاں کسی حدیث کی قبولیت کی راہ میں علم الرجال ایک ایسا عمل تقطیر ہے جس سے صرف صالح عناصر ہی چھوٹ کر منزل تک پہنچ پاتے ہیں۔ فقہی تنوع کے ضمن میں علم الرجال جیسا اہتمام نہ تو ضروری ہے اور نہ ممکن، لیکن اس کے صالح نکات کو نظر انداز کرنا بھی کوئی سود مند عمل نہیں ہے۔

مقنن اور محقق کے لیے یہ بات از حد اہمیت کی حامل ہے کہ وہ شقاقی عبارتوں، جدل و مناظرے سے معمور تحریروں اور داخلی خلافی نقطہ ہائے نظر میں فرق کرتے ہوئے عہد حاضر میں صرف ''اختلاف'' کو

سامنے رکھ کر شرعی مباحث کرے۔ دنیائے اسلام میں گزشتہ چند عشروں سے ریاستی سطح پر قانون سازی کا کام بتدریج آگے بڑھ رہا ہے۔ مسلم مملکتیں آج اگر ملت واحد---ملت اسلامیہ---کی جگہ جغرافیائی حد بندیوں کی اسیر ہو چکی ہیں تو یہ اس کا سیاسی رخ ہے۔ فقہ اسلامی کے ضمن میں آج توسّع اور مراعاۃ الخلاف کو پذیرائی مل رہی ہے۔ توسع کے باعث آج کوئی ملک مطلقاً کسی ایک فقہی مکتب فکر کے اندر رہ کر قانون سازی نہیں کرتا بلکہ وہ تمام مکاتب فقہ سے خوشہ چینی کے بعد اپنے لیے قانون بناتا ہے۔ اس عالم میں اہل علم کی ذمہ داری دو چند ہو جاتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا امور پر دقیقہ رسی کا مظاہرہ کریں۔ امید ہے اہل علم اس پر مزید غور کریں گے۔

حوالہ جات

۱۔ ملاحظہ ہو، لسان العرب لابن منظور مادۃ ''خلف''

۲۔ قرآن ۱۹:۳۷

۳۔ قرآن ۵۱:۸

۴۔ ''اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب'' (اردو) ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض العلوانی، مترجم ایم اختر، دہلی ۱۹۸۵ص ۲۲-۲۳۔ یہ کتاب انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ، واشنگٹن کے تعاون سے شائع ہوئی۔

۵۔ طاش کبریٰ زادہ، مفتاح السعادۃ، ج ۲، قاہرہ، ص ۵۹۹

۶۔ قرآن ۲:۱۳۷

۷۔ قرآن ۴:۳۵

۸۔ بخاری، کتاب المغازی، باب صلوۃ الخوف

۹۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے اختلاف کو تین اقسام میں شمار کیا ہے: اختلاف زمانی، اختلاف مکانی، اور اختلاف برہانی۔ ان کے نزدیک یہ وہ تین اصولی اقسام ہیں جن کی ذیل میں باقی تمام فروعات آتی ہیں۔ بحوالہ ''مقدمہ اصول الکرخی'' (اردو)، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۴۰۲ھ، ص ۹

۱۰۔ بخاری، کتاب الجنائز

۱۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ (عربی۔اردو) لاہور (سن اشاعت ندارد)، ج ۱، ص ۳۴۹

۱۲۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ایس ایم ظفر کی کتاب عوام، پارلیمنٹ اور اسلام، مطبوعہ لاہور

۱۳۔ نسائی، باب الطھارۃ، نیز ملاحظہ ہو، بخاری، باب الوضو

۱۴۔ حجۃ اللہ البالغۃ، حوالہ ماقبل

۱۵۔ ابن عبدالبر القرطبی، الانتقاء فی الأئمۃ الثلاثۃ الفقھاء، قاہرہ، ۱۳۵۰ھ، ص ۱۴۳

۱۶۔ شعرانی، المیزان، ۱۳۲۵ھ، قاہرہ، ص ۶۱

۱۷۔ حجة الله البالغة، حوالہ ماقبل

۱۸۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳۴۹ھ، قاہرہ، ج ۱۳، ص ۳۳۴

۱۹۔ Dr. Ahmad Hassan, Early Development of Islamic Jurisprudence, Islamic Research Institute Islamabad, 1988 p.20

۲۰۔ ابوزہرہ نے ''آثار امام شافعی'' (اردو ترجمہ) میں احمد امین کی ضحی الإسلام میں سے فقہائے سبعہ کی جو فہرست دی ہے، وہ ڈاکٹر احمد حسن کی فہرست سے قدرے مختلف ہے چونکہ گفتگو کا محل یہ نہیں ہے، اس لیے اس سے اعراض کیا جاتا ہے۔

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ علامہ خضری بک، تاریخ فقہ اسلامی، اردو ترجمہ مولانا حبیب احمد ہاشمی، کراچی، سن اشاعت ندارد، ص ۳۰۹

۲۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ''خطبات بہاولپور'' ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۳

۲۴۔ ابوزہرہ، آثار امام شافعی، (اردو ترجمہ، سید رئیس احمد جعفری) لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۱۰۰

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ابن القیم الجوزیہ، المناقب، بیروت سن اشاعت ندارد

۲۷۔ شیخ خضری بک، ایضاً ص ۳۲۹

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ عجلونی، کشف الخفاء، ج ۱، ص ۶۴ حدیث ۱۵۳

۳۰۔ شاطبی، الموافقات، المکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصر، ج ۴، ص ۱۶۱-۱۶۰

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۶۱

۳۲۔ ملاحظہ ہو، تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلانی، نیز دیکھئے، تهذيب الكمال